اصلاح

بَل یَدٰہُ مَبسُوطَتَانِ
از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلماء مولانا الحاج
السید علی اظہر صاحب دامت برکاتہ
ارسال الیدین
۱۳۲۷ھ
CHECKED 199
ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ
مطبع مخصوص اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شائع ہوا
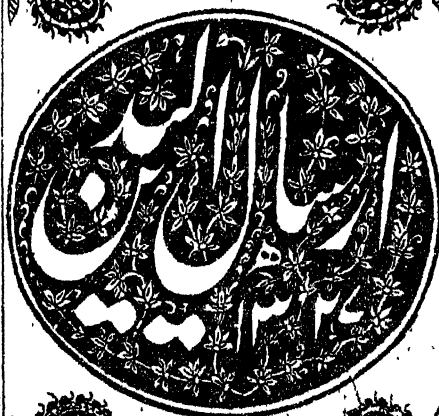
ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق
ہے کہ نماز پڑھنے مین ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہئے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندھ
جو طریقہ اہلسنت ہے - مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت
پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا -
چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ
کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتا دیا کہ کلوخ
لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے - بلکہ
تمامی اہلسنت اس مسئلہ مین حضرت عمر کی سنت پر قائم ہین جسنے ثابت کردیا کہ
اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبیؐ پر -
دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا
برءوسکم وا [illegible] الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

غسل قدمین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا اور رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کردیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو آواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین یہ بھی کا بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر تر ٹہنیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین۔ مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ؟ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پاوے اور راہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین -

فصل واجمعوا علی انہ یسن وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ الا فی روایۃ عن مالک وھی المشہورۃ انہ یرسل یدیہ ارسالا وقال الاوزاعی بالتخییر واختلفوا فی محل وضع الیدین فقال ابوحنیفۃ تحت السرۃ وقال مالک والشافعی تحت صدرہ فوق سرتہ وعن احمد روایتان اشھرھما وھی التی اختارھا الخرقی کمذھب ابوحنیفۃ والسنۃ عند الثلاثۃ ان ینظر المصلی الی موضع سجودہ ص ۳۱ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (ائمہ اہلسنت نے) کہ سنت ہے رکھنا اپنے ہاتھ کا داہنے ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑھتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑھے یا باندھکر -

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابوحنیفہ کہتے ہین زیر ناف - (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف

اور تینون کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز مین نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جدا گانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے چوتھا کہتا ہے جہان چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہین لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے۔ اگر اس مذہب کے اصول وفروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اونمین یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دلمین آیا ویسا کیا ہے۔

تو گو یہ قول کسی مسلم کا نہین ہوسکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکھا جس سے معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانون کی جماعت متفرق ہو اکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تفرقوا فتذھب ریحکم شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر او نہونے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہین کہ مذہب مالک ارسال ہے یعنی ہاتھ کھولنا۔ اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہین کہ وہ قائل تخییر ہین۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہاں رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبریٰ مین امام شافعی سے ناقل ہین و به صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلهما ولم يعبث بهما فلا باس (ص ۱۲۳)

یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کہ دونون چھوڑدے اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی ان لوگون کے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے شعبدہ دکھلا گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے۔ اوسکی یہ گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کس طرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہین۔ ہاتھ باندھتے ہین یا کہول کر پڑھتے ہین۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

الغرض بیخبری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان و آداب سے اسدرجہ بیخبر ہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور اونکی روایت یا فعل پہ مذہب کا مدار کہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب وعترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعوں مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

مصالح قبض و بسط ید اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے اون فواید و مصالح پر نظر کیجیے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان تک پیدا نکالی ہین۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايتيه انه يرسل يديه ارسالاً ومع قول الاوزاعي انه يخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة فقو

یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکھنا چاہیے یا جو اسکے قائم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے۔ اور اقول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندھے۔ پس پہلا قول (باندھنے کا) مشدد ہے

العبد بين يدي سيده
وهو خاص بالاكابر من العلماء
والاولياء بخلاف الاصاغر
فان الاولى لهم ارخاء اليدين
كما قال به مالك رحمه الله
وايضاح ذلك ان وضع
اليمين على اليسار يحتاج
في مراعاته الى صرف الذهن
اليه فيخرج بذلك كمال
الاقبال على مناجاة الله
عزوجل التي هي روح الصلاة
وحقيقتها بخلاف ارخائهما
بجنبيه ثم اختلفوا في محل
وضع اليدين فقال ابو حنيفة
تحت السرة وقال مالك
والشافعي تحت صدره
فوق سرته وعن احمد روايتان
اشهرهما كمذهب ابي حنيفة
واختارها الخرقي ووجه

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف مین تفاوت ہے ۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہوئی چاہیئے ۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ
اونکے لئے یہی اولی ہے کہ ارخا
کرین (ہاتھ کہولے رہین) جیسا
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ داہنے ہاتھ کا رکہنا بائین پر
اسکا محتاج ہے کہ ذہن ہٹایا ہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
مین کمی آجائیگی ۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع
مین کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کہولنے کے دونو طرف رکہدینے مین

الاول خفة كونها تحت السرة
على المصلي بخلاف وضعها
تحت الصدر فانه يحتاج
الى مراعاتها لثقل اليدين
وتدليهما اذا طال الوقت
فرجع الامر الى مرتبتي الميزان
فلذلك كان استحباب
وضع اليدين تحت الصدر
خاصًا بالاكابر الذين
يقدرون على مراعاة شيئين
معًا في ان واحد دون
الاصاغر وسمعت سيدي
عليا الخواص رحمه الله يقول
وجه قول من قال بعدم
استحباب وضع اليدين
تحت الصدر مع ورود ذلك
من فعل الشارع كون مراعاة
المصلي دوامها تحت الصدر
يشغله غالبا عن مراعاة

خضوع مین کمی نہ ہوگی)
پھر اسمین اختلاف ہے کہ دونو
ہاتھ کہان رکھے جائین - ابوحنیفہ
تو تحت السرہ کہتے ہین (زیر ناف)
اور مالک وشافعی کہتے ہین تحت
الصدر فوق السرہ (سینہ کے
نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو
روایت ہے مشہور وہی ہے جو
موافق ابوحنیفہ ہے - اسیکو خرقی
نے اختیار کیا ہے پہلے (زیر ناف)
کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہان رکھینگے
تو نماز پڑھنے والے پر کوئی ثقل
(بوجھ) نہوگا - بخلاف اسکے کہ اگر
سینہ کے نیچے رکھینگے - تو وہ اسکا
محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا
خیال رکھا جائے - کیونکہ ہاتھ
خود ثقیل ہے - اور فطرۃً وہ
نیچے لٹکا چاہتا ہے جب دیر تک
قیام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
او جعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة او مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الام فقال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معاً في آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى بذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
برابر ہو گیا پلڑا - اسلیئے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء کے لیئے جو قادر ہیں دونو
امر کی مراعات کے (یعنی حضور
کا بھی خیال رکھیں - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالیں) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہیں
ہے)

میں نے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہیئے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہیں حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھوں کا کھولنا اولی ہے

تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم اسکتے ۔	اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام مین کہ وہ اگر ہاتہون کو

صہ ۱۲۵

کہولدے دونو بغل کی طرف اور باندہی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین — اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتہو نکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبہال سکتا ہے تو اوسکے لیے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال مین جمع حاصل ہوگا۔ تمام ہوا ترجمہ

یہ ہین توجیہین اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کہال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمین کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہین کیونکہ اسوقت مین اوسکا دل ودماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال مین حضور قلب مین فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کہولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندہنا جس سے بہر طور حضور قلب مین کمی ہوگی

اب یہان تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجیے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد مین جاکر اوسکے پیشنماز کو دیکھیے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہین) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیون کی مسجد مین جائیے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد مین۔ اور غور کی نگاہ سے دونون کے افعال نماز پر نظر کیجیے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑھ رہا ہے - اور سنی اپنی نوکری بجالا رہا ہے کہ جلد کام کرکے بھاگو -

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے - ایک (لور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے نہر میڈیٹ اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ - اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک ہے جسکے مطلب یہ ہوے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب معظم و محترم جانتے ہین -

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم -

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جسمین زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے - اور حضور قلب بالکل نہو -

تو اس تقسیم کا حاصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کم ہونا لازم ہے - تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے -

اسکی وجہ تو آپکو تنبیہ ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوۃ - ابوبکر عن عثمان النہدی
قال عمر لاجھز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہیں کہ کہا عمر نے تحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کر کے روانہ کر دیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑہ رہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہے اسی وجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی پردہ داری کے لئے تہی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑہتے تھے ہاتھ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلّم ہو چکا کہ ہاتھ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہول کر نماز پڑہتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہتے ہین - اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے ہین۔

یہان اگر نماز جناب امیر پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تھے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف وہ تھا کہ تحمل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اوسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے جب ہاتھ کہلے رہین - اور ہاتھ باندہنے مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہو سکتی - تو اب جنلوگونکو نماز بحضور قلب پڑہنا ہو اونکو یہی لازم ہے -

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر - دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے - اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو جائے تو بہتر ورنہ آیہ ومن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیے -

قرآن سے استدلال ہاتھ باندہنے پر اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑ جائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کردیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندہنا چاہیے دیکھیے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵ برحاشیہ الیواقیت والجواہر -

ذکر الشیخ فی الباب التاسع والستین وثلثمائۃ مانصہ اعلموا ان من آداب الوقوف

یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل

بین یدی اللہ تعالی فی
الصلوۃ الذل والمسکنۃ و
التکنف شغل العبد الذلیل
فی حال مناجاۃ سیدہ وقد
وردت السنۃ بذلک وھو
عندی احسن من اسبال
الیدین قال وایضاح ما قلناہ
ان اللہ تعالی قسم الصلوۃ
بینہ وبین عبدہ نصفین فجزء
منھا یخلص للہ من اولھا
الی قولہ مالک یوم الدین
فھذا بمنزلۃ الید الیمین اشارۃ
للقوۃ الالھیۃ قال تعالی
لاخذنا منہ بالیمین والجزء
الاخر یخلص للعبد من قولہ
اھدنا الی اخر السورۃ فھذا
بمنزلۃ الیسری الذی ھو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما کان جزء منھا بین

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسیکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین ۔
اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔
اور چونکہ ایک جزو اس سورہ کا مشترک

اللہ وبین عبدہ وھو قولہ
ایاک نعبد وایاک نستعین
جمع العبد بین یدی فی الصلوٰۃ
مجامع المناجاۃ فکملت صفۃ
العبد بجمعہ بین یدیہ ولو
اسبل یدیہ لم تکمل صفتہ
فانظر الی ھذہ الحکمۃ ما
اجلاھا الذی عینین انتھی
ثم لا یخفی انہ اذا کان جعل
الیدین علی الصدر تشغل
العبد عن مناجاۃ ربہ فارسالھما
اولی فالتحقیق ان جعل الیدین
علی الصدر للکملاء الذین
لا یشغلھم ذلک عن اللہ تعالیٰ
وان ارسالھما اولی لغیر الکمال
اذ مراعاۃ وضعھما علی الصدر
یشغل عن کمال التوجہ فلیتامل
واللہ اعلم ص ۵ برحاشیہ
الیواقیت والجواہر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتھون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتھونکا رکھنا سینہ پر
انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتھونکا کھولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا سینہ
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکھنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتھونکا
کھولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتھون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام ہے معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایان ہاتھ ہوا۔ اور نصف حصہ بندونکے لئے وہ بایان ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک ہین لہذا دونو ہاتھ باندکر کھڑا ہونا چاہیے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہوڑے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمایش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے جھٹ سے حل کر دیا کہ لیلۃ القدر مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا ۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظون سے اس تحقیقات کو لکھتے ہین اور پھر شرماتے ہین۔
تفسیر کبیر مین ہے صفحہ ۲۳۷ جلد ۸۔
وثالثها نقل عن ابن عباس انه قال ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور ثلث مرات فيكون السابعة والعشرين
اور فتح الباری مین ہے۔ وقد استنبط بعضهم ذلك من جهة اخرى فقال ليلة القدر تسعة احرف اعيدت في السورة ثلث مرات فذلك سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲
ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونھون نے کہا لیلۃ القدر مین نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ مین آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔
اور فتح الباری مین ہے کہ بعض لوگون نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہین اور سورہ مین تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔
دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری مین ہے وزعم ابن قدامة ان ابن عباس استنبط ذلك من عدد كلمات السورة و قد وافق قوله فيها هي سابع كلمة بعد العشرين وهذا نقله ابن حزم عن بعض المالكية وبالغ في انكاره نقله ابن عطية في تفسيره وقال انه من ملح التفاسير وليس من متين العلم ص ۲۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا
استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسواں کلمہ
پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے - اس کو نقل کیا ہے ابن
حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد مین اور
نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر مین اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ
متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن۔
اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول ؐ سے بلکہ توہمات
وخیالات پر اونکی [illegible] کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہین اور شب
قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ بہت ۹ کو تین مین ضرب دیتے ہین کہین کلمات
سورہ کو گنتے ہین حالانکہ خود اونکے یہان باتفاقہم۔ اکثر اہل علم ثابت ہے
کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعوں سے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز مین قیاس فرمائے کہ محض اس سے کہ شیعہ۔
مطابق سنت رسول ؐ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین اسلئے اونہون نے ہاتھ باندھ کر
نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعیان
مصر جو خلیفہ تھے با آواز بلند کہا کرتے ہین جیسا کہ تاریخ کامل مین ہے
وما ترک الجھر بالبسملۃ فی جوامع بغداد لان العلویین صحاب
مصر کانوا یجھرون بھا فترک ذلک مخالفۃ لھم لا اتباعا لمذھب

احمد الامام ص ۱۱۳ جلد ۱

یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز مین بغداد کی مسجدو نمین اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر مین تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ — خلفائے علویین کی خلافت مصر مین ۲۹۶ھ سے قایم ہوئی پہلے اودھر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چند روزون مین اوسکی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنین ع کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیر سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنها ترك التسمية في الصلوة جهرا لما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار وقالوا سرقت التسمية يا معوية ص ۲۷

یعنی معویہ کی بدعتو نسے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین و انصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

جبراً لیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علویہ میں مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہیے چنانچہ رسالہ البسملہ میں پوری تحقیق اسکی کردی گئی ہے۔ یہاں بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابی حنیفة ومالك ان البسملة لیست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعی واحمد انها تجب وکذلك القول فی الجهر بها فان مذهب الشافعی الجهر بها ومذهب ابی حنیفة الاسرار بها وکذلك احمد وقال مالك یستحب ترکها والافتتاح بالحمد لله رب العلمین وقال ابن ابی لیلی یتخیر وقال النخعی الجهر بها بدعة فجهر الاول فی المسئلتین الاولی مرتبتی المیزان ووجه الاول فی المسئلة الاولی والثانیة الاتباع۔

یعنی انہیں اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے ہیں۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہیں ہے لہذا واجب نہیں۔ قول شافعی و احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب اسمیں اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہیے شافعی قائل جہر ہیں کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے کہ اگرچہ واجب نہیں ہے مگر کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب احمد ہے۔ مالک قائل ہیں کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہیے۔ ابن ابی لیلی قائل تخییر ہیں۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقرءها مع الفاتحۃ
تارۃً ویترکہا تارۃً اخری
فاخذ کل مجتهد بما بلغه من
احدی الحالتین وفی ذلک
تشریع للاکابر والاصاغر من
اهل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابه حین دخل فی
الصلوۃ وکان مشاهداً
للحق تعالی بقلبه فلا یناسبه
ذکر الاسم الذی هو شعار
اهل الحجاب ومن لم یکشف
حجابه فالمناسب له ذکر
الاسم الشریف لیتذکر به
صاحب الاسم کما ورد فی
بعض الهواتف الربانیة اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من هذا ان من راٰه بقلبه
لا یؤمر بذکر اسمه ومن هنا

ہین کہ جہر کرنا بدعت ہے تو اب
یہ مسئلہ میزان مین دو امر کیطرف
راجع ہے - وجہ اول دونو
مسئلہ مین اتباع ہے کیونکہ وارد
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے
کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسیپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)
اس اختلاف سے اکابر و اصاغر
کے لئے دو حکم علیحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف مین
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہین
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور مین
حاضر ہے - اور جسکو یہ درجہ نہین
حاصل ہوا اوسکو کہنا چاہیے - اسکی
طرف اس شعر مین اشارہ کیا گیا ہے
ع خدا کے یاد کرنیسے گناہ بڑہتی

الغز بعضهم ذلك في شعره
فقال ؎

بذكر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذكر الله افضل كل شيء
وشمس الذات ليس لها مغيب

ويؤيد ذلك قول الشبلي
رحمه الله حين قالوا له متى
تستريح فقال اذا لم ار لله
تعالى ذاكرا أي لان الذكر
لا يكون الا في حال الحجاب
عن شهود المذكور فما تمنى
الشبلي الا حضرة الشهود
لانها هي التي لا يرى الله
تعالى فيها ذاكرا بلسانه اكتفاء
بمشاهدته تعالى ومناجاته
بالقلب وحضرة الحق تعالى
بهت وخرس لشدة ما يطرق
اليها من الهيبة والتجلي

ہین - اور آنکھ اور دل اندھے
ہو جاتے ہین - حالانکہ ذکر خدا
ہر شی سے افضل ہے - اور شمس ذات
کبھی غائب نہین ہوتا - اسیکا موید ہے
قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام
ملتا ہے - کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا
کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے - کیونکہ
ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے
لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود
رہے - کیونکہ اوسوقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہین دیکھتے -

مینے اپنے بہائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے
اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے -
کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی
نہین اوٹہتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب
کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے
یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب
مین نہین ملتا - سید علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمہ اللہ یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
لان حجاب العظمۃ لا یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلا بد من
حجاب لکنہ یدق فقط انتہی
وھو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمہ اللہ یقول
ذکر اللہ تعالے علی نوعین ذکر
لسان وذکر حضور کما ان
ترک الذکر کذلک علی نوعین
ترکہ من حیث الغفلۃ وترکہ
من حیث الحضور والدھشۃ
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل والاول من الترکین
مذموم والثانی محمود وھو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے
اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی
محمول ہے۔

سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہروقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ کا
(بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر الیسا نہ کرتا
تو پھر کسیکو جرات نہوتی کہ کوئی
کلمہ کہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیه قول الشبلی انفاً وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمة اللہ تعالی یقول انما کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یترک البسملة فی بعض الاوقات ویذکرها فی بعض الاوقات تشریعاً لضعفاء امته واقویائهم والا فهو صلی اللہ علیه وسلم حاضر مع ربه علی الدوام لانه ابن الحضرة واخو الحضرة وامام الحضرة۔ وسمعت سیدی علیا الخواص رحمة اللہ تعالی یقول لولا ان اللہ تعالی امر الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار اذا وقفوا بین یدیه فی الصلاة ما تجرء احد منهم ان ینطق بکلمة لعظم الهیبة لاهل تلک الحضرة ولکن ربنا تجلی

اس قسم کے لوگونکو ہر وقت محیط رہتی ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہ سکتا ہے نہ جہر کر سکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں

تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح تباہ کی گئی ہے۔ اور کسطرح کا اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول فخر رازی۔ یہ امر متواتر ثابت ہے کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اسکے مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت رسول کے عامل ہیں۔

له الحق تعالى في بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فيعجز عن الجهر بالبسملة او بالتكبير فيكون ذلك من باب قوله صلى الله عليه وسلم انما انسى ليستن بي فافهم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیوں نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کو انبیاء سمجھتے ہیں اور اسطرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہیں۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہیں ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیوں کیلئے اور درجہ رسول اوسمیں معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہیں۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف بہرحال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھی جائے۔ اور ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولیٰ دلائل ارسال یدین

اب ہم یہاں اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہیں جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہاں دلائل شرعی چار ہیں۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہیں۔ اور اجماع میں بھی کلام ہے۔ مگر با اینہمہ اوسکے قائل ہیں لہذا انہیں تینوں دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی ہیئت اسمیں

مذکور ہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ انتساب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہاں قول یا فعل صحابی ہے۔ حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہیں قول و فعل صحابی حجت نہیں۔ مگر جس مسئلہ میں دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی سمجھے مگر تاہم آیۂ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمون نہونا چاہیئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندھنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے آیا وہ کالمجرمین بنتے ہین یا نہین۔

دوسرے آیۂ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندھنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونے کی مذمت کرتا ہے

والذین یبغونها عوجا

ان آیات سے اگرچہ فقہانے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی حقیقت دوسرے جملہ مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف حدیث

صحابہ پیش کیے جاتے ہین جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول و فعل صحابہ کے مقابل ہین اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے نہ حدیث رسول۔ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوة حدثنا
هشيم عن يونس عن الحسن ومصرة
عن ابراهيم انهما كانا يرسلان ايديهما
في الصلوة - ثنا عفان ثنا يزيد بن
ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان
ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا
ابن علية عن ابن عون عن ابن
سيرين انه سئل عن الرجل يمسك
يمينه بشماله قال انما فعل ذلك
من اجل الدم ثنا عمر بن هرون
عن عبد الله بن يزيد قال ما رايت
ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوة
كان يرسلها ثنا يحيى بن سعيد
عن عبد الله بن العيزار قال كنت
اطوف مع سعيد بن جبير فرأى
رجلا واضعا احدى يديه

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے
کھولے لیتے تھے نماز مین ہشیم یونس سے
وہ حسن سے اور مصرہ سے وہ ابراہیم
سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز
مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے۔ عفان
یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین
کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر
جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ
کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون
سے ابن سیرین سے روایت کرتے
ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارے مین
کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے
تو کہا یہ جو کیا تھا مگر بسبب خون کے
عمر بن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت
کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو
داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری هذه علی هذه اوهذه علی هذه فذهب ففرق بینهما ثم جاء۔

مین وہ دونو ہاتہہ پہیلا دیتے تھے یحیی بن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعہ سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھون نے دیکھا کہ یہہ ہاتہہ اسپر رکھے ہین (داہنا بائین پر) یا یہہ اس ہاتہہ پر (بایان داہین پر) تو وہ گئی اور دونو ہاتہون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بہانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین حضرت ابوبکر کے نواسہ ہیجو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتہہ کہول کر نماز پڑہا کرتے۔

انکی وفات ۷۳ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پہانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[1] مین خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کہولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑہتے

[1] اسماء الرجال مشکوۃ عبد الحق دہلوی مین ہے ووقف ابن عمر علیه فقال السلام علیك یا ابا خبیب السلام علیك یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انهاك عن هذا قالها ثلاثا اما واللہ لقد کنت الذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیه وانزله عن جذعه فالقی فی قبور الیهود ص ۱۰۰ قلمی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلثہ اور اپنی خالہ جان اور ماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ سعید بن جبیر المتوفی سنہ ۹۵ حسن بصری المتوفی سنہ ۱۱۰ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتہہ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتہہ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور رائے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال و احادیث پر بنائے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاہدا ورعا محدثا من مشاہیر التابعین واجلتہم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت لہ سبعۃ اوراد باللیل لقی صدرا کثیرا من الصحابۃ قال ہشام ادرک من اصحاب النبی ثلثین نفسا واشتہر بفنون علم الشریعۃ وکان من اورع اہل البصرۃ و سمع ابن عمر۔ و انس و عمران بن حصین۔ وابی ہریرۃ و زید بن ثابت و من سواہم۔ مات سنۃ عشرۃ ومائۃ بعد الحسن

بجابہ لیلہ وھو ابن سبع وسبعین سنۃ ص۱۳۶ النسخہ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدۃ و سکون التحتانیہ بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی البہ بطن من اسد بن خزیمہ نسبۃ الی والبہ بن عمرو بن الحارث کوفی من اعلام التابعین سمع ابا مسعود و ابن عباس و ابن عمر و ابن الزبیر و انسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءۃ ومھر فی القراءۃ مھارۃ تامۃ حتی انہ یروی انہ کان یختم فی رمضان وقراء فی کل لیلۃ بقراءۃ قرائھا فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمرو بن دینار وابو ایوب وابو بشر وامم قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان سنۃ خمس وتسعین ولہ تسع واربعون ص۲۶۹ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں۔

الحسن البصری ھو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المھملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذالک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ فان رویتہ ایاہ لم یصح لانہ کان فی وادی القری متوجہا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابی طالب

ویقال لقی طلحۃ وعائشہ ولم یصح لہ منہما سماع وروی عن غیرہما من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب وعمران بن حصین وابی موسیٰ وابن عباس وجندب وروی عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا فی العلم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ ومات فی رجب سنۃ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص ۲۸ قلمی

خلاصہ یہ کہ سعید بن مسیب ایک ہیں اعلام سے فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد و ورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہیں حجت ہیں۔ حافظ ہیں۔ متقن ہیں خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے بہت سے اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہیں کہ تیس صحابی سے انہوں نے ملاقات کی۔ اور علوم شریعت میں بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ تو پھر کون گمان کر سکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز میں اپنی خواہش نفس سے تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہوں نے اسطرح نماز پڑہتے دیکھا لہذا خود بھی اسیطرح پڑہتے سنہ ۱۱۰ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولکر پڑہنے کا معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہیں۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہیں اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان میں یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

مین نہی قرأت سے پڑہتے تھے انسے اعمش۔ عمر بن دینار ابوایوب۔ ابوبشر وغیرہ روایت کرتے ہین حجاج نے سنہ ۹۵ھ مین قتل کیا انکو اسدرجہ مبالغہ تھا اگر اگر کسیکو ہاتہہ باندہتے دیکہتے توجا کر اوسکا ہاتھ کہولدیتے۔

حسن بصری کے تذکرہ اور وفات کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے عثمان کی خلافت مین پہونچے اور حدیث بہی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور جابر صحابی کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین امام تھے علم و زہد و تقوی سنہ ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتہہ کہولکر پڑہتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ ہاتھہ باندہ کر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتھ باندہ کر نماز پڑہتے دیکہتے تو دوڑ کر اوسکا ہاتہہ کہولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کیجاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ داخل ہے جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہنا چاہئیے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین اور علماے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات اللبیب مین لکہتے ہین مطبوعہ لاہور سنہ ۱۲۸۴ھ ص ۲۴۴

وثانیہما ان عمل اہل المدینۃ المقدسۃ — دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ میرے

علی ما کنہا افضل الصلوٰۃ
والتسلیمات من اقوی حجج الدین
عندنا ونری الامر فیما طریقہ
النقل من ذلک علی ما یری
الامام الاکبر عالم المدینہ
مالک بن انس الاصبحی من
ان اجماع اھل المدینۃ
المطھرۃ حجۃ حتی انہ عولت
علماء مذھبہ فی ارسال الیدین
حالۃ القیام فی الصلوٰۃ علی
عمل اھلھا مع وجود المرفوع
الصحیح فی قبض الیمنی علی
الیسری وحملوہ علی الحاجۃ
عند طول القیام وخصوہ
بھا بدلیل عمل اھلھا لما یخص
الحدیث الصحیح بحدیث اخری
مثلہ ولا یجوز ذلک التخصیص
وارتکاب خلاف الظاھر
بدون معد من علماء القبض
وان روی مطرف وابن
الماجشون عن مالک
انہ استحسنہ لکن روی ابن

نزدیک قوی ترین حجتوں سے دین
کے ہے۔ اور اس مسئلہ میں میری رائے
مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک
بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس
بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ
حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے
اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑہنے کے۔ کیونکہ اہل مدینہ
کا یہی عمل تہا لہذا اونہوں نے۔ اسی کو
اپنا مذہب بنایا تہا حالانکہ حدیث صحیح
مرفوع اس مادہ مین موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکہنا چاہیے
(اس حدیث کا حال دوسرے جملہ
مین ملاحظ فرمائیگا) اور اونہوں نے
یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر
بوجہ طول قیام ہاتہہ بہر جاے تو ہاتھ
باندہ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل
اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالك الارسال
وصار اليه اكثر اصحابه وروى
عنه اباحة القبض في النافلة
بطول القيام وكره في الفريضة
قال ابن الحاجب ان ذلك
حيث صيّك معتمداً لقصد
الراحة نقله الزرقاني في
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم يات عن النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
فيه خلاف وهو الذي
ذكره مالك في الموطا ولم
يحك ابن المنذر وغيره
انتهى
وانت قد علمت ما ذكره
غير ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذي ذكره مالك
في الموطا اراد منه ان ذكره
في الموطا يدل على كونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعيف فان العلم محيط
بصنيعه في الموطا من انه
ربما يروي فيه ما يخالف
مذهبه كما فعل في قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کردی جاتی ہے - اور
نہیں جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے (لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہیں ہے)
ہاں مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے انکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے
تھے - مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے) اور
یہی مذہب ہے انکے اکثر اصحاب کا
اور ہاتھ باندھنے کے بارہ مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے -
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اوسوقت

الصحیح حیث اقتصر فیہ
علی اثر ابن عمر رض علیہم جواز
مع ان القنوت فی الصبح مذھبہ
الثابت عنہ وان اراد ان
ماذکرہ من اثر ابن عمر حجۃ
علینا فجوابہ ان اثر ابن
عمر لا یعارض عمل اھل المدینۃ
بل قد اشرنا الی حدیث سہل
فی رفع القبض المروی فی
صحیح البخاری لا یرد حجۃ
علیہ لعمومہ وعلی اصحابہ حیث
تمسکوا بعمل اھل المدینۃ
والارسال ھذا لم ینفرد
مالک فقد جاء فیہ الآثار
عن سلف التابعین روی جملۃ
من ذلک الامام ابو بکر
بن ابی شیبہ فی مصنفہ وغیرہ
اثر عن عبد اللہ بن زبیر رض
رواہ فی المصنف بسندہ
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا یزید بن ابراہیم
قال سمعت عمرو بن دینار
قال کان ابن الزبیر اذا صلی

نوافل میں جائز ہو گا جب بغرض راحت
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا میں۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا میں اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف لکھتے ہیں تم تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی اونکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں ایسی
روایتیں بھی لاتے ہیں جو اونکے مذہب
خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

یوصل ید بید بین اونہون نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہین جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
ہے نماز صبح مین جو ثابت ہے اوسنے۔
اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہین
ہوسکتی۔ بلکہ ہے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہل
جو صحیح بخاری مین مروی ہے دربارہ ہاتھ باندھنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہین ہے بوجہ عموم اسکے۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ مستمسک اونکا عمل اہل مدینہ ہے (جو روایت ہے۔ اور یہ
روایت)
اور یہ مذہب ارسال یدین البانہ ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہین منفرد ہوئے ہین بلکہ بہت سی روایتین اسمین سلف صحابہ
تابعین سے آئی ہین جنہین امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اور سمین عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہتے تھے ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو ہاتھون کو
کھول دیتے۔ (تمام ہوا ترجمہ)
اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا ہی

مذہب تھا کہ وہ نماز مین ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے - اور اونکی دلیل یہ ہے
کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتھہ کہولکر نماز پڑہا کرتے -
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہی
جسمین اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھہ پر رکھنا چاہیے - مگر اسپر
بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہیے کیونکہ
وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہین کہ بوقت ضرورت ہاتھہ
باندہنا چاہیے - اسلیے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے
تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت -
علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمین اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ
حجت ہے یا نہین - مگر اس سے کسیکو انکار نہین کہ اہل مدینہ کا عمل یہی
تھا کہ وہ ہاتھہ کہولکر نماز پڑہا کرتے جس سے ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ
یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ صلعم تھا - حضرت کو جیسے یونہی نماز
پڑہتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑہا کرتے -
تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل
رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہین کہ سکتا کہ اہل مدینہ
کا عمل خلاف عمل رسول تھا -

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تابعین و تبع تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھہ
کہولکر نماز پڑہا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہین -
اور عمل اوسیوقت کہا جا سکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہین کہہ سکتے بلکہ عمل بعض اہل مدینہ

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارے مین روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی رد ہو گئی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور معاصرین اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے۔ تو اب دو ہی احتمال ہو سکتے ہین یا یہ کہ صحابہ نعوذ باللہ تمام دیدہ و دانستہ اور اہل مدینہ حکم رسول کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ کہ حضرت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ لوگ اوسکے خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بیہودہ ہے کہ نہین ہو سکتا کوئی مسلمان اسکا دعوی کر سکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت مذکور یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمین متابعت حکم رسول ضروری نہین یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خود غرضی سے حکم رسول کی مخالفت کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمین ہر شخص محکوم ہے کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہین کہ حضرت کی مخالفت کرے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہوا یہی تھا کہ وہ ہاتھ
کہول کر نماز پڑہا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔
کیونکہ اہل مدینہ میں سب ہی اہل حق ہیں اور احتیاط ہی برتتے ۔۔ آئی ۔۔ مگر
مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا بھی یہی
معمول تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ
وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت
یا تو یہ تھی کہ معلوم ہو کہ اونکے وقت تک یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف میں
نہیں آیا تھا بلکہ سب کا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہا کرتے
لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑہی جاتی
ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی جب اس اختلاف کی بنیاد
پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن
الزبیر ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ
تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی
تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابوبکر
کے نواسے تھے۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل
زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور
تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے عمل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہو سکتا۔ پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا نہ صرف لوگونکے علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کرسکتا کہ اونکی نماز اوس طریقہ کے خلاف ہو گی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسماء و زبیر کے خلاف ہو۔ اور چونکہ پہلے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب مین اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدھلوی حیث نفی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا واثرا ویقول سالت فی الحجاز عن ذالک بعض علماء المالکیۃ فلم یاتوا بشیء سوی امر خطابی ذکروہ مما لا یلتفت الیہ اھل العلم اصلا وعمل اھل المدینۃ المطہرۃ فی ذلک عند علماء مذھبہ اقوی من آثار التابعین والصحابۃ فیہ مثلا

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبدالحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقاً نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لاسکے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر

اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہاں لوگوں سے
دریافت کیا تو اپنی رائے سابق سے عدول کیا۔ اس سے ظاہر ہوا
کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہیں احادیث صحیحہ
میں جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو۔ اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک
کرتے ہیں اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہیں حدیث مرفوع سے
رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہیں حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اوسکی دلیل
یہ ہے کہ مذہب مالکیہ میں یہ ہے کہ قول کا عموم صحابی سے مخصص نہیں ہے
حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ میں وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری
میں کہ مالکیوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے
خلاف ہے یعنی وہ اسکے مجری نہیں انتہٰی

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے میں ہو۔ تو وہ حدیث
اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے۔ حالانکہ ہم آیندہ
چلکر بتا دینگے انشاء اللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ میں کوئی نہیں۔

مذہب شافعی بھی یہی ہے

علامہ مذکور لکھتے ہیں وامام المطلبی الشافعی بادرة الفريد من مجد
شرف هاشم رحمه الله سبحانه به صدور المحبين بثلج العلوم من اهل
هذا البيت المقدس رض فقد روى الشعراني في كتابه تلخيص
السنن للبيهقي المسمى بالمنهج المبين في جمع ادلة المجتهدين عنه
بسنده عن الهروي عن يونس بن عبد الاعلى قال سمعت الشافعي

یقول کل حدیث جاء من اهل العراق ولیس له اصل فی الحجاز فلا نقبله (لعدم صحته عندنا) وان کان صحیحا انتہی (فی نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه یخرج ان عمل اهل المدینة المقدسه یترک به الحدیث الصحیح عند غیرهم مطلقا او عند اهل الکوفه بخصوصهم فان عملهم علی شئ ورد بخلاف الحدیث عند غیرهم لا یتصور الا بانتفاء اصل ذلک عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم یقبل هذا الحدیث المعارض لعملهم وجب علیه التمسک به وترک ما خالفه ووجه ذلک ان عملهم دلیل قوی علی وجود الحدیث الصحیح فی ذلک عندهم وحدیثهم یترجح علی حدیث غیرهم عند هذین الامامین (مالک والشافعی) وفی هذا جواز الاعتماد علی العلم الاجمالی بوجود الدلیل الراجح مع وجدان الدلیل المعارض به بعینه وذلک مخصوص فی عمل اهل المدینة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔
پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ
حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کردی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہین
سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث سے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ
حدیث ہی صحیح نہین ورنہ وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔
اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہین۔ تو
عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک
کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ مین دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث
صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثین قابل ترجیح ہین
مالک وشافعی کے نزدیک دوسرونکی حدیث پر۔
پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے
اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جاوے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل
اہل مدینہ کے ساتھ مالک وشافعی کے نزدیک ۱۱
اس عبارت نے بتادیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی
اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ مین نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہی
نہ آثار صحابہ وتابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب
ہے۔
ملاً اسکی بھی تصریح کردی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث
ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ
اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے وہ حدیث ہی صحیح نہیں اگرچہ
فی نفس الامر صحیح بھی کیون نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر
اسکے مقابلہ مین کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ
فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہین۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی
جواز ارسال یدین کے قائل ہوئے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہین شافعی بھی ہاتھ
کھولنے کو جائز مانتے ہین۔

[illegible] | [illegible]

[illegible] عمل اهل المدينة المعظمة على الحديث الصحيح [illegible] بعد
تدوينهما واذا [illegible] ما خرجه الشيخان [illegible] تلقتهما الامة بالقبول و
من جملتها [illegible] علماء المدينة الطيبة ص ۴۲

یعنی میری رائے مین یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ حدیث صحیح پر اوس
حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین
کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمین علماء مدینہ بھی داخل ہین۔

جسکے مطلب یہ ہوئے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ مین
حدیث صحیح بھی قابل قبول نہین۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہین کیونکہ انکی
حدیثین نہین مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثین اگر عمل اہل مدینہ کے
خلاف ہون تو وہ مردود ہین۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سے صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین ۔۔

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی رائے ہے جو مقابل مذہب امام مالک یا امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کر لیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علما سے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین سنہ ۲۵۲ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار ہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ انکی عظمت تھا وہ بھی تو اسی وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کر لیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا - یہی وجہ ہے کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ باتھہ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا یہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ۔ وتابعین وتبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہوسکتی۔ محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سور و پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہوسکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہوسکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجۃ قطعاً ویفید العلم الجازم عند الجمیع من اهل القبلة ص ۲۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم الیقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک باستثناء خوارج وشیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کردئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں بھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہین۔

ومما اعتقدہ حجیۃ اجماع
اہل بیت النبوۃ رضی اللہ تعالے
عنہم وعملہم وہو عندی وعند
کل منصف اقوی من عمل اہل
المدینۃ وذلک لان حجیتہ
لیس الا من حیث ان ماتوارثہ
اہل بلد صاغرا عن کابر مستمرا
من غیر طریان تغیر علیہ یستند
عادۃ الی رئیس ذلک البلد
اذا کان معلوما باہتمام من اسم
خاصۃ فی ریاستہ وترویجہا
علی مرؤسیہ من اہلہ وذلک
فی توارث اہل بیتہ کذلک
واستنادہ الی رئیس البیت
وصاحبہم الذی یعلو لہم
ویسوسہم مع شدۃ اعتناءہم
بالاتیان بما یامرہم واتباعہم
فی کل ما یفعلہ اقوی فی العادۃ
واثبت فی الحفظ فانہم اضبط
الاقوام لحالہ واعلم باقوالہ و
اعمالہ بل لا یصل الی اہل
البلد من رئیسہ کثیر شیء من

مین اسکا بھی معتقد ہون کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل
اُن مین بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات و اطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہین خصوصاً جب اوس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ
اپنے ہر اسم خاصہ کی ترویج مین اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست مین
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصادر من اهل بيته
لاسيما ويدخل في اهليته نساءه
ايضاً مع الذكور من اولاده
واقربائه وخدمهم ومواليهم
فيحيطون باحوال داخل
البيت وخارجه وما نحن
من اهل بيت النبوة في
هذه المسئلة الا ما يشتمل لنسائه
صلى الله تعالى عليه وسلم و
ذكور بني هاشم والمطلب فاذا
اجمعوا على شيء وتوارث ذلك
فيهم فهو عندي حجة سمعت
شانها وصفتها على ما ذكرنا هذا
مجرد ما يعطي وحدة البيت
معه صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهل حضرته من
الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعالى عليه
وسلم والزائد على ما يعطي من
ذلك وحدة البلد معه
صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله اياه صلى الله
تعالى عليه [illegible]

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم
ہوگا کہ یہ اہل رئیس کی ہدایت اور
تعلیم سے ہے۔
اسی طرح اہلبیت کا توارث اور
اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان
کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم
ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت
کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے
خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد
کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو
اسمین کہ وہ لوگ بجا لائین اوسکے
کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات
مین اوسکی پیروی کرین۔
تو ایسے امور جو اوس خاندان
مین جاری ہون وہ من حیث الاثبات
نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حال
سے زیادہ واقف اور اقوال و
افعال مین زیادہ مطیع ہونگے

الی ذالک حدیث الثقلین
فمن ورد منهم علی امر من
بیانه مما یکاد یثبت فی کل
واحد من علمائهم العصمة
فان لم یثبت فیه ففی کلهم
عند اجماعهم علی امر فان لم
یثبت العصمة رأسا فغلبة
ظن الاصابة فی کل واحد فان
لم یثبت فیه ففی کلهم عند اجماعهم علی ما لا یوجد
ذالک فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثله من
الشارع صلی الله تعالی علیه وسلم وان لم یقر بذلک
کله فلا اقل من ان نؤمن بان
عملهم مما یرجح احد المتعارضین
من الاحادیث علی الآخر
کعمل اهل المدینه المنورة
ولهذا استموا مثل الحاکم
ابی عبد الله و سلیمان الاعمش
ومحب الدین الطبری الرجال
الابطال من رؤساء علماء
السنة شیعة وقالوا صحیح
مسلم ملآن من الشیعة ولما
قال مالک بحجیة عمل اهل المدینة
المعظمة لزمه القول بحجیة عملهم
لاسیما فیما اجتمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت
دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے
حالات اور افعال و عادات
معلوم ہی نہونگے مگر اوسکے خاندان
کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر
اہل شہر سمجھین گے کہ یہ امور ہمارے
رئیس کے افعال و عادات سے ہین
اور خاندان مین داخل ہین اونکی
عورتین بھی اور ذکور اونکے
اولاد و اقربا سے اور خدم و موالی
اونکے کہ یہ سب محیط ہین احوال
داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے
یہان ہم اہل بیت نبوۃ سے
معنی عام مراد لیتے ہین جو شامل ہو
نسا نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و
عبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع
کرین اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت
توارث اونمین جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم لماذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد۔	(وہ میرے نزدیک حجت ہے اور نہایت قوی حجت جسکی صفت اور شان تو سُن چکا۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے (ایک گھر مین رہنا ۱۲) اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال واعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور حضرت کے اہل وعیال وخاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملائی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارہ مین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علمائے اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہوسکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ ائمہ مین سے ہر ایک شخص کے افعال واعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال واعمال منفرداً حق اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین تو ضرور یہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہ مین شارع ؑ کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعلمھم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبداللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال الابطال اور روساء علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے۔

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسیوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمام خوارج ہین)

اور جب امام مالک قایل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیتؑ طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر آئمہ اثنا عشرؑ مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ دیتمام ہوا ترجمہ

اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام

معلوم ہوئی وہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ

علیہم السلام کو ترک کیا ہے جسپر خود ملا معین دراسات اللبیب مین

ان لفظون سے فریاد کرتے ہین فالفجیعۃ کل الفجیعۃ علی الامۃ ان خلت

کتب المذاہب الاربعۃ عن مذہب اہل البیت رض عنہم اجمعین

ثم اذا وجد فیہا شئی من ذالک یعارض بمثل ہذا ولقد سبقت

منا رسالۃ مفردۃ فی اسعاد الموضعین تکلمنا فیہا علی الثانی

واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف بہ ونتکلم

علی الاول فاعلم ان آئمۃ الطاہرین رضی اللہ عنہم یحرمون الرائے

والقیاس ولہذا انکار حل ابو حنیفۃ علی جعفر بن محمد رض علی ما

حکاہ الشعرانی فی اللواقح قال لہ بلغنی انک نقیس لا تقس فان

اول من قاس ابلیس ص ۲۴

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین

خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب

کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتونسے اوسکا معارضہ

کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ

جسمین پورا جواب دیا ہے امام حق جناب امام حسن کی طرفسے اوسی پر

اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام
مین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نہ کر
کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے۔

بہرحال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ
حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت
یقینی ہے۔ اوس روز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا۔ اور یہ جواب دینگے
ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکھ دینکو ولی دین عمل کرین۔

ہان انسانی ہمدردی۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح
کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدا نے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول
نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفا نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز
پڑہو ہاتھ کہول کر یا باندہ کر کیونکہ ابہی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون
حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کہولکر پڑہین اور تمامی صحابہ و تابعین
و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز
پڑہتے دیکھتے۔ اونکا یہی عمل تہا۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت
کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کہولکر پڑہا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی
کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی
معمول تھا۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوۃ والحد فی التکبیر وما یقال عند ذلک

میں ہے۔ علی بن ابراهیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبداللہ علیہ السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوۃ قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیہ متوجها الی
القبلۃ فاستفتحت الصلوۃ
فرکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح بالرجل
منکم ان یاتی علیہ ستون
سنۃ او سبعون سنۃ فلا یقیم
صلوۃ واحدۃ بحدودها
تامۃ قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوۃ فقام
ابو عبداللہ علیہ السلام مستقبل
القبلۃ منتصبا فارسل یدیہ
جمیعا علی فخذیہ قد ضم
اصابعہ وقرب بین قدمیہ
حتی کان بینهما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیہ جمیعا القبلۃ
لم یحرفهما عن القبلۃ وقال
بخشوع اللہ اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل ھو اللہ احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سے
روایت کرتے ہیں کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ع نے مجھسے فرمایا اے
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے۔ مے
نے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہے
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہیں۔ تم کھڑے ہوکر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
وسجود بجا لایا۔ حضرت نے فرمایا اے
حماد تو نے اچھی طرح نماز کو نہیں ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تملوگوں کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھو اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجا لاؤ۔ حماد
کہتے ہیں اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور میں نے عرض کیا کہ

ثم صبر هنية بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع
وملأ كفيه من ركبتيه مفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صب عليه قطرة من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر و
هو قائم ورفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يدي
ركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على شيء
منه وسجد على ثمانية اعظم

آپ پر فدا ہون مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہوکر۔ اور دونون
ہاتھون کو آپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانو وپر اور انگلیان اوسکی
ملالین۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونو قدم کو۔ کہ اونمین تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیون کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کچھ نہ رہے تہلے سے پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورۂ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑہا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لین۔ پھر دونو ہاتھو
بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہین
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونون
ہتھیلیونکو گھٹنو سے۔ کہ انگلیان

الکفین والرکبتین واناصل
ابہامی الرجلین والجبہة و
والانف وقال سبعة منہا
فرض یسجد علیہا وہی التی
ذکرہا اللہ تعالی فی کتابہ
فقال وان المساجد للہ فلا
تدعوا مع اللہ احدا وہی الجبہة
والکفان والرکبتان والابہامان
ووضع الانف علی الارض
سنة ثم رفع راسہ من السجود
فلما استوی جالسا قال اللہ
اکبر ثم قعد علی فخذہ الایسر
ووضع ظاہر قدمہ الایمن
علی بطن قدمہ الایسر وقال
استغفر اللہ ربی واتوب الیہ
ثم کبر وہو جالس وسجد
السجدة الثانیة وقال کما قال
فی الاولی ولم یضع شیئا من بدنہ
علی شیئ منہ فی رکوع ولا سجود

کھلی ہوئی تھیں - اور دبایا گھٹنے
کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے - یا سیل تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تھی اور سیدھا دیا
گردن کو - اور بند کر لیا آنکھونکو
اور تین مرتبہ بسترتیل کہا سبحان
ربی العظیم وبحمدہ پھر سیدھے
کھڑے ہوئے جب اچھی طرح کھڑے
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونو
ہاتھون کو چہرہ تک بلند کیا - پھر
سجدہ کیا - اور پھیلا دیا ہتھیلیون کو
کہ انگلیان اوسکی ملی ہوئی تھین -
سامنے دونو گھٹنون کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ
رکھا آپنے ایک بدن کہ دوسرے

وکان مجنحا ولم یضع ذراعیہ علی الارض فصلی رکعتین علی هذا ویداہ مضموم الاصابع وهو جالس فی التشهد فلما فرغ من التشهد سلم فقال یا حماد هکذا اصل

بدن پر - اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر دونو ہتیلیان - دونو گہٹنے اور دونو زانو اور دونو انگشت پیرون کی - اور پیشانی اور ناک اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ کرنا فرض ہے جسکا خدانے ذکر

کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا مین کہ وہ پیشانی - دونو کف دست دونو گھٹنا - دونو انگشت ہین پیرون کی - اور ناک کا رکہنا خاک پر سنت ہے - پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ سے جب سیدہے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر - پھر بیٹھے بائین زانو پر کہ ظاہر قدم ایمن رکھا بطن قدم الیسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب الیہ - پھر تکبیر کہا جھککر - اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ - اور کہا جسطرح پہلے سجدہ مین کہا تھا - اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری عضو پر رکوع و سجود مین اور تھے پھیلا ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دستکو زمین پر - اسی طرح دو رکعت نماز پڑہی اور دونو ہاتھ آپکے مضموم الاصابع تھے - اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا - پھر کہا اے حماد اسطرح نماز پڑہا کر - تمام ہوا ترجمہ

مینے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کھولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکہانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبر اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا۔ اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد و ازواج رسول و موالی و صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے۔ اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے تو اب اہلسنت غور کرین۔ انکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین۔ تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے۔ والحمد للہ اولاً واخراً والصلوۃ علی نبیہ واھلبیتہ باطناً وظاھراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابی حازم عن سھیل بن سعد قال کان ناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

الیسری فی الصلوۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر نماز مین رکھین حدیث بیان کی ہے ہمسے عبد اللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہون نے ابی حازم سے اونہون نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کئے جاتے۔ اس بات کا کہ دہر رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائین ہاتھ کی نماز مین۔ کہا ابو حازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکھین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص ۱۴ جلد ۳

یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جس روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے
اور معنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم
صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں
دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا
قعود سے۔ اسلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑھانا پڑا ای فی حال القیام
مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجھا جائے
تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا کون حکم دیتا۔ اسی سے
ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا هذا حكمه الرفع لانه محمول على ان الآمر لهم
بذلك هو النبي كما سياتي یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے (یعنی نسبت
ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول
اللہ تھے جیسا کہ آتا ہے۔
مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب
اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب
نہیں لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام
مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا اونکا
مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی
کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔
تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی مین جہانتک جانتا ہون وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب دیا ہے قیل لو کان مرفوعا لما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی۔ (یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہون نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کرین طرف تصریح کے (یعنی تصریح کردین کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہین کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہین۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلیئے اسکی تصریح کردی کہ یہ روایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا۔ اوسوقت تک حدیث کی مرفوعیت نہین معلوم ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہین واعترض الدانی فی اطراف الموطا فقال ھذا معلول لانہ ظن من ابی حازم ورد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نومر بکذا ایصرف

ظاهرًا الی من له الامر وهو النبیؐ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی ما صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نومر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک هو النبیؐ واطلق البیهقی انه لاخلاف فی ذلک بین اهل النقل مرقہ

کہ دانی نے اطراف موطا میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی خبر نہیں) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہاں تک جانتے ہیں اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع میں ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پہ محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہیں۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع میں ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دیے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمیں اختلاف ہی نہیں۔

اقول افسوس ہے۔ تو اسیکا کہ حضرات دعوی کرتے ہیں علم حدیث کا اور مطلقًا اوس سے بہرہ نہیں رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر میں یا اور اقوال صحابہ میں جو اسطرح وارد ہیں۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہیں کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہاں مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا۔ بخلاف اسکے یہاں چونکہ اصل حکم رسول نہیں ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑھانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا
تھا۔ اسلئے ابوحازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی
وضعیت ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابوحازم
کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ قول ابوحازم خود اسکا
ثبوت ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث ہی بجائے
کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب
اللہ اوس میں کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے
اوسکی وضعیت کھل جائے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث
ہم وضع کر رہے ہیں۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے
کسی طرح اسکو ایسا تعبیر بنائیں کہ گمان وضع نہ ہو جس سے خواہی
نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھانا پڑتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی
پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث
میں جو صحیح روایتیں ہوتی ہیں اونمیں ایسی باتیں نہیں ہوتیں

اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے
ملاحظہ فرمائیں کہ لکھتے ہیں وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی
وصحیح ابن السکن شئ یستأنس به علی تعیین الامر والمامور
فروی عن ابن مسعود قال رآنی النبی واضعا یدی الیسری
علی الیمنی فنزعها ووضع الیمنی علی الیسری اسناده حسن

یعنی سنن ابو داؤد - نسائی - صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے جس سے اس بات کی دانست ہوتی ہے کہ آمر و مامور معین ہو - کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھے ہوئے - تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا - سند اسکی حسن ہے -

مگر ہائے اس استیناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے - اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین -

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا -

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود - پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے -

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہدیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندہ کر نماز پڑھنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پڑ دو پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر ابن خیانت

و محالست و جنون ۔کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام

مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو

معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کہولنا تھا۔چنانچہ خود ابن حجر ہی لکہتے

ہین وروی ابن القاسم عن مالک الارسال وصار الیہ اکثر

اصحابہ وعنہ التفرقۃ بین الفریضۃ والنافلۃ ومنہم من کرہ

الامساک ونقل ابن حاجب ان ذلک حیث یمسک معتمدا

لقصد الراحۃ

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر

اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ و نافلہ مین فرق

بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندہنے

سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندہنا بضرورت جائز ہے

کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف

حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول

دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہین ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز

نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔

وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی صلعم

یعنی کہا ابو حازم نے کہ میں جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے - اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی - مگر صحیح بخاری میں ہے کہ اسمٰعیل کہتے ہین یہ ینمی ہے بصیغہ مجہول - نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے ینمی کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے آنحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابوحازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظون کا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول (ابو حازم) مین ینمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے - تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوگی بلکہ مرسل ہوگی - جو صحیح نہیں ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغة المجهول یکون الحدیث موسلا لان اباحازم لم یعین من انما له وعلی صیغة المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیه یکون لسهیل بن سعد لان اباحازم قد یعین له المنمی وهو سهیل بن سعد ص ۲۰۷ جلد ۳

بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمٰعیل ینمی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوگی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہیں کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث
محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب
قابل قبول ہو سکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکہا جائے
اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک
ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو
ممکن نہ تہا وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے ۔ کیونکہ لفظ حدیث
ایسا مبہم ہے کہ کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ یہ حکم رسول
ہو کیونکہ مولوی عبد الحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی مین ۔
لکہتے ہین ۔ قال ابن الصلاح لا فرق فی ذلک بین ان یقول
الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النوی
فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا
ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او
بعد وفاتہ وتعقبہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی
قولہ سواء قال ہذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا
بکذا او نہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناہی احد
الخلفاء الراشدین انتہی وہذا الاحتمال قوی القبۃ صہ ۱۱۲
یعنی ابن الصلاح نے ۔ یہ اصول قائم کیا تہا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو
وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو ۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر وناہی خلفاء راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامۃ اسکے جواب مین لکھتے ہین لاحجۃ للشافعیۃ فی هذا الحدیث لانه لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی ﷺ (ظفر الامانی ص۱۱۱)

پس جب بلال کے بارہ مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہل بن سعد کے بارہ مین بدرجہ اولیٰ یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔

جسکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہین انہون نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اونکے اپنا مذہب قائم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہین ومن جملة ما احتجوا به فی الوضع حدیث رواه ابن ماجه من حدیث الاحوص عن سماک بن حرب عن قبیصة بن المهلب عن ابیه قال کان النبی ﷺ یؤمنا فیاخذ شماله بیمینه وحدیث آخر اخرجه مسلم فی صحیحه عن وائل بن حجر ان رسول الله ﷺ رفع یدیه الحدیث وفیه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث
الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان تحدث عن عبداللہ بن
مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراه
النبی علیه الصلوٰۃ والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و
حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی
قال انا معشر الانبیاء امرنا بان تمسك بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰۃ
وفی اسناده طلحة ابن عمر متروك وعن ابن معین لیس بشئ
وحدیث آخر اخرجه الدارقطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو
حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین
لیس بشئ ضعیف ص ۱۵ جلد ۳

یعنی جن حدیثوں سے ہاتھ باندھنے پر یہ لوگ استدلال کرتے ہین ایک
حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب مہلب سے
روایت کرتے ہین کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھا رہے تھے تو بائین ہاتھ کو پکڑا
دائین ہاتھ سے۔
دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ
اپنا رکھا بائین ہاتھ پر۔
تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی۔ وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ رکھا بائین پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب ہے ابوعثمان کو
وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایان ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑیں۔ اس روایت مین طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشئی

پانچوین حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند مین نضر بن اسمٰعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشئی ہے ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثین ہین جنمین دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشئی ہے۔ باقی رہی تین روایتین پہلی روایت کے راوی اول احوص ہین خلاصہ تہذیب الکمال مین ہے قال ابن معین ثقة و مرۃ ثقة لیس بذاک المتوفی ۲۱۱ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہین دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہین میزان الاعتدال مین ہے صفحہ ۲۹ جلد اول

سماک بن حرب ابو المغیرہ الهذلی الکوفی صدوق صالح من اوعیہ العلم مشہور روی ابن المبارک عن سفیان انہ ضعیف وقال جریر الضبی اتیت سماکا فرایتہ یبول قائماً فرجعت	خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہین صالح ہین اوعیہ علم سے ہین روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہین۔ جریر ضبی کہتے ہین کہ ہم سماک کے یہان گئے تو اسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آئے

ولم اساله فقلت خرف
وروی احمد بن ابی مریم
عن یحیی سماك ثقة کان
شعبة یضعفه وقال
حماد المکتب کنا ناتی سماکا
فنساله عن الشعر ویاتیه
اصحاب الحدیث فیقبل
علینا ویقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروی
مومل عن حماد بن مسلمه
سمعت سماك بن حرب
یقول ذهب بصری فرایت
ابراهیم الخلیل فی النوم
فقلت ذهب بصری فقال
انزل الفرات فاغمس راسك
وافتح عینك ان الله یرد
علیك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علی بصری
وقال ادرکت ثمانین من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا - شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین - حماد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین - موئل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم ع
کو خواب مین دیکھا اونسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ -
اور آنکھین کھولدو - اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہوگئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی ۸۰
صحابہ کو پایا - احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابو حاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین - صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین - نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماك يغره مضطرب
الحديث وقال هو اصلح
حديثا من عبد الملك
بن عمير وقال ابو حاتم
ثقة صدوق وقال صالح
جزرة يضعف وقال النسائي
اذا انفرد باصل لم يكن
حجة لانه كان يلقن فيتلقن
روى حجاج عن شعبة قال
كانوا يقولون سماك وعكرمة
عن ابن عباس فيقول
نعم فاما انا فلم اكن القنه
قد روى قتادة عن ابي
الاسود الدولي قال ان سرك
ان يكذب صاحبك
وقال عبد الله بن احمد بن
حنبل قرات بخط ابي عن
رجل لم يسمه قال كان
سماك بن حرب فصيحا

کریں تو وہ قابل احتجاج نہین
کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے
تو یہ اوسکو یاد کر لیتے تھے شعبہ
کہتے ہین کہ لوگ کہتے تھے سماک
وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ
کہتے ہان ہم اونکی تلقین نہ
کرتے تھے۔ عبداللہ بن احمد
بن حنبل کہتے ہین کہ مینے اپنے
باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ
سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی
سے حدیث کو زینت دیتے
ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے
اور شعبہ نے اور ایک جماعت
نے روایت کی ہے ابن مدینی
کہتے ہین کہ اونکی دو سو روایت
ہے۔ ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر
غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت
مین اختلاف کرتے۔ عجلی جائز
الحدیث کہتے ہین سفیان ثوری

بزين الحديث منطقه
وفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في روايته عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبة وزائدة وابو عوانه
والناس قال ابن المديني
له محو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليلا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبة يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمة
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبة هو في غير عكرمة
صالح وليس من المثبتين ص ٣٨٤

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر تھوڑا۔ کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے۔ یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح
ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن مہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماك وقال العجلي ثقة
تابعی ص ۲۱۱ جلد ۲
کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے انسے روایت نہیں کی
عجلی ثقہ و تابعی کہتے ہیں
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قطعی تمام

عالم پر کہل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔
اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑہاتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دہنے ہاتہ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہن تو حدیث صحیح کہان رہی اسیر بناکرکے ہاتھ باندہنا کیسا لغو ہے۔
دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا مجہنے بایان ہاتہ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں پر رکہدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ھارون وعبد الرحمن بن مھدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ھو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۰ جلد اول
کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث تھا ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم سے حدثنا زھیر بن حرب قال نا عفان قال نا ھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبد الجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل ومولی لھم انھما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبی رفع یدیہ حین دخل فی الصلوٰۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہیں حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتھوں کو کانوں کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھوں کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھوں کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیوں کے درمیان میں سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتا رہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یمنیٰ علی الیسریٰ کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہیں ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑہے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہے کیونکر نہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس۔

غرض یہی دو روایتیں ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندہنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجة الجمهور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ههنا وحدیث ابی حازم رواه البخاری ص ۱۷۳

یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندہنے کے قائل ہین ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور یہی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا

مگر انسب روایتوں کا جواب علاوہ مقدم روایۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتین صحیح ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے ہین۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بیداہت ظاہر ہے کہ
وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی
ہین - تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن
نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کریں۔

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندہنے کے موجد امام
ابو حنیفہ ہین جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیت ایجاد
کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آور وہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی
قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور رہوے کہ اس قسم کی روایتین
ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع
ہوئی کیونکہ

اولاً اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی
اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف - اور ابو حنیفہ چونکہ
اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی
لئے اونہون نے شاہی قواعد وآداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ
کے سامنے مودب دست بستہ کھڑے ہون - یہ طریقہ اخذ کیا کہ
نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارع ع نے اسکی
اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا -

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد
سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی - اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابوحنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیتؑ تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد سے نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوسکتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معویہ کہ اے معویہ تونے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہوسکتے تھے - اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو نہ چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کر دیا -

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیرؑ آمین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا - اسلئے وہ خلفا بھی اسیر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہواخواہان اہلبیتؑ طاہرین متمیز ہو جائین - اسلئے ہاتھ باندہنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا -

مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا - اسلئے ادسپر اثر کم پڑا اور امام مالک وہان مجبور رہتے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھیں جو زمانہ رسول اللہ سے مروج تھا -

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمائش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین - ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہیے - اسلئے اور بھی اونہون نے اپنا طریقہ نہ بدلا -

بخلاف ابوحنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی
نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو
گنا کرو۔ ابوحنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامسًا محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار
تھے۔ اسلئے جو ہوائے سلطنت ہوتی اوسکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے
اسلیئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہ سکتا ہے
کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو **رسالہ وضو** مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہ مین کیسا
حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی
الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر
پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ
دوم نے پیر دہونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق
بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندہنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب
تھا لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی
گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس
نتیجہ کو اخذ کیجئے کیونکہ وہ اختلافات محل کے متعلق لکھتے ہین فعندنا
تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیوں کے نزدیک ناف کے

ہاتھ رکھنا چاہیے لیکن کوئی تصریح اسکی نہیں ہے کہ کہاں ہاتھ باندھنا چاہیے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیوں نے حضرت علی کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے۔ امیر عینی لکھتے ہیں قلت ہذا قول علی بن ابی طالب و اسناده الی النبی غلط ص ۱۵ جلد ۳
یعنی یہ قول حضرت علیؓ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہ کیطرف غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ جعلی روایت کیوں حضرت کیطرف منسوب کی گئی۔ اسی لیے کہ وہ حنفی ہاتھ باندھنے میں شریک کر لیے جائیں۔

پھر لکھتے ہیں ولکن الذی یروی عن علی فیه مقال لان فی سنده عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشیء منکر الحدیث
یعنی جناب امیر والی روایت میں یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند میں عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے اور لیس بشیء۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہو گئے ہوں کیونکہ اسکا یہ جواب دیا کہ ابو داؤد نے اوس سے روایت کی۔ اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہوا داری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑہین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوے کہ مسلمانون نے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ براے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھیے جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و حکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری و ابن سیرین انہ یرسلھما وکذلک عند مالک فی المشھور یرسلھما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ صرہا۔

یعنی ابن المنذر نے عبداللہ بن زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر
نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک سے بھی روایت مشہور رہی ہے
مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے کہ نماز مین طول
ہو جائے تو داہنا بائین پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہیگا تو آپکو ہزارون دقتین پیش
ہین۔ اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندہیگا تو گو مذہب شافعی مین
جائز ہے۔ مگر حنفیون کے یہان ناجائز۔ اور دونون کا استدلال
حدیث سے ہے۔ پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہمنے
تو ہاتھ کھول کر نماز پڑہنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اور امام
احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے۔
اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ
علامہ حلبی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین
ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیے۔ ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے
بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیے۔ محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا
چاہیے (یعنی پکڑنا نہ چاہیے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر
و ابہام سے پکڑنا چاہیے یہی مختار ہے۔ ذرایہ مین ہے کہ کوع
الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف ایمن
سے پکڑے۔ یہی قول احمد و شافعی ہے۔ ابو یوسف و محمد کی ایک
روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر ہتھو آگے رکھے اور [illegible]

اور اکثر مشایخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندہے ینع پر صہ جلد ۳

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمجہ مین ایسی موشگافی ہو سکتی ہے حاشا وکلا یہ سب حنفیون کی ایجا دہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک وتوہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین

الوجہ الخامس فی الحکمۃ فی الوضع علی الصدر او السرۃ فقیل الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیہ حفظ نور الایمان فی الصلاۃ فکان اولی من اشارتہ الی العورۃ بالوضع تحت السرۃ وھذا قول من ذہب الی ان السنۃ الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبیہ باھل الکتاب واقرب الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن السقوط وذالک کما یفعل بین یدی الملوک وفی الوضع علی الصدر تشبہ بالنساء فلا یسن ص۱۷ جلد ۳

کہ ہاتھ باندہنے کا کیا فائدہ ہے۔ سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اسمین نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت (یعنی آلہ تناسل کی طرف) اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فایدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد ہوجاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہین زیر ناف ہاتھ باندھنے کے
اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے۔
لہذا یہ مسنون نہین ہے صفحہ ۷۶ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام ابو حنیفہ اسکے موجد ہین کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمین اونکو اہل کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انھونے زیر ناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہون اور رہم شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہون کہ ہاتھ عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کسوقت تخلیہ ہوسکتا ہے
بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے ما اٰتیکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ تمکو رسول دین اوسکو لے لو اور جس سے منع کرین اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی تو ہزار ہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہین جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہین کہ دست بستہ کھڑے ہون۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑھتے ہین اور اس سے نہین
شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین ۔

اب شافعی او حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیوں پر بقول عینی زنانہ
غالب ہے لہذا اونہون نے عورتون کی مشابہت اختیار کی ۔
اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے
کی ضرورت تھی لہذا اونہونے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے
اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہ
نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال ہین یعنی بغیر ہاتھ
ہاتھ کہ پہلو لٹکا کر نہ تشتت کے ناممکن ہے ۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک
نماز کو بھی زینت اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت
ظاہر ہوتی اور اسکی نشانی کہ ہر وقت ہاتھ کھلے ہوئے ہین جسکی طرف
خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فهذا آخر الكلام في هذا المقام والله ولي
الانعام والصلوة والسلام على رسوله
واله الغر الكرام ولعنة الله على اعدائهم
اللئام الفجرة اللئام فقه الاحقر الافقر
خادم الشرع الاطهر علی اظہر
حشره الله مع النبي واله خير
البشر